# کیا دین ممکن ہے؟

(عقیدہ کی سائنس پر مبنی ایک خصوصی مقالہ)

نعمان نیئر کلاچوی

©June 2022 (Digital Edition)

اِس میں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ انسان زندگی کے کسی بھی موڑ پر کسی نادر یقین تک پہنچ سکتا ہے واضح رہے کہ میں نے اِسے علم نہیں کہا (ملاحظہ کیجئے میرا مقالہ کیا علم ممکن ہے؟) کیونکہ علم ممکن نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان پر تیقّنات کے دروازے وا ہوتے رہتے ہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ انسان کسی خاص یقین تک پہنچ جائے جس تک عموماً لوگ نہ پہنچ پاتے ہوں.. یعنی خدا جو فی الحال ایک ماورائی یقین (Transcendental Belief) ہے انسان سے رابطہ کر سکتا ہے اسے کوئی پیغام دے سکتا ہے پس یقین کے دائرے میں یہ ممکن ہے۔ یہ تو ہوگئی انسان کی انفرادی سطح کی بات.. اصل معاملہ تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اپنے اِس یقین کو رسالہ بنا کر دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تیقنات کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں ایک ماورائی (Transcendental) دوسری سِرّی (Immanent)۔

یہی دو صورتیں ہیں جو دین پیدا کرتی ہیں۔

اگر ہم ماورائی صورت کی بات کریں تو سارا مسئلہ یہیں سے پیدا ہوگا اس کے برعکس سِری صورت میں مسئلہ کوئی اتنا پیچیدہ نہیں ہے۔ ماورائی صورت یہ ہے کہ ایک انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے اُس سے رابطہ کر کے اُسے ایک ضابطہ فراہم کیا ہے اور ساتھ حکم دیا ہے کہ وہ انسان اس ضابطہ کو دوسروں تک پہنچائے۔ خدا کا انسان سے رابطہ کرنا دینی اصطلاح میں نبوت جبکہ نبوت کو دوسروں تک پہچانے کا عمل رسالت کہلاتا ہے۔ تو ہمارا سوال یہ ہونا چاہئے کہ کیا رسالت ممکن ہے؟ جی یہ ہے اصل سوال۔ جواب سیدھا نفی میں ہے۔ توجیہ یہ کہ اگر کسی انسان سے خدا رابطہ کرتا ہے تو اُس انسان کیلئے تو خدا اور اس کے ضابطہ کو ماننا ممکن ہے لیکن کسی دوسرے کیلئے کیسے یہ ممکن ہو سکتا ہے؟ اِسی بنیادی مسئلہ کو دیکھنا ہے یہاں۔ واضح رہے کہ کسی بھی دین کا بنیادی ڈھانچہ "رسالہ" کی بنیاد پر قائم ہے پس اگر ہم رسالہ کا امکان رد کر دیں تو دین کی "سماجی حیثیت" باقی نہیں رہتی۔

خدا، اللہ یا ایشور یا آسان الفاظ میں اس کائنات کا رب اگر کسی انسان سے رابطہ کرتا ہے تو اس انسان کیلیئے اس رابطہ پر یقین ممکن ہے لیکن وہ کیا بنیاد ہے جس پر کھڑے ہو کر کوئی دوسرا جس سے خدا نے رابطہ نہیں کیا اُس کی بات مان لے جس سے خدا نے رابطہ کیا ہے اور اُسے ایک ضابطہ دیا ہے... ؟ بظاہر تو ایسی کوئی بنیاد نظر نہیں آ رہی بلکہ ممکن ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک دین کی ہر ممکنہ مضبوط اور منظم ترویج جاری رہنے کے باوجود بھی لوگ دیندار کیوں نہیں بن پاتے ؟.. کیونکہ لوگوں کے پاس ہوا میں معلّق ایک کھوکھلا یقین ہوتا ہے جس کی کوئی ٹھوس مجرب بنیاد نہیں ہوتی اس لئے لوگ دیندار بننے یا ہونے کی اداکاری تو کر لیتے ہیں لیکن سچے دیندار نہیں بن پاتے۔ پس ایسا ہوتا رہے گا تاوقتیکہ انسان رسالہ سے مشاہدہ یا احساس تک نہیں پہنچ جاتا۔

دین کے امکان کی دوسری صورت سِری ہے جس کا سادہ مطلب یہ کہ انسان اپنے رویہ کا مطالعہ کرتا ہے اور رویہ میں موجود مثبت اور منفی رجحانات کا تجزیہ کرکے ایک نتیجہ برآمد کر لیتا ہے بعد میں اُس نتیجہ کو یقین کی صورت دے دیتا ہے.. یہی سِری صورت ہے۔ دنیا میں ماورائی ادیان بھی ہیں اور سِری بھی جیسا کہ اسلام، عیسائیت، یہودیت، بہائیت اور سکھ مت ماورائی جبکہ بدھ مت جین مت، صوفی مت اور ویدانت سری ادیان ہیں۔ سری ادیان میں رسالہ کی بجائے "مطالعۂ ذات" پر توجہ دی جاتی ہے اور سارا زور انسانی نفس کی مبادیات ڈھونڈنے پر لگا دیا جاتا ہے۔ سری ادیان میں رسالہ کا کوئی اہتمام موجود نہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا میں سری ادیان زیادہ پھل پھول نہ سکے اور دنیا کی زیادہ تر آبادی ماورائی ادیان کی پیروکار ہے۔ ماورائی دین چونکہ رسالہ کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور ہم تجزیہ کر چکے کہ رسالہ ممکن نہیں اس لئے ماورائی دین دراصل ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

اس کے برعکس سری دین میں خود محنت کرنا پڑتی ہے انسانی رویہ کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر بات بنتی ہے اس لئے اس میں تن آسانی کی تو کوئی گنجائش موجود نہیں ہے لیکن گُرو کُل یعنی مرشد یا ماسٹر کا عقیدہ اسے پوری طرح کھو کھلا بنا دیتا ہے پس گھوم پھر کر بات وہیں رسالہ تک ہی پہنچ جاتی ہے۔ ماورائی ادیان میں جہاں مولوی، پنڈت، پوپ، ربّی اور گرو کھڑے ہیں تو وہاں سری ادیان میں مرشد، شیخِ طریقت، پیر یا سد گرو کھڑے ہیں۔ پس ماورائی اور سری ادیان کسی نہ کسی نقطہ پر پہنچ ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ ماورائی ادیان کے پاس تو خدائے واحد و کثرت کا ایک عقیدہ موجود ہے لیکن سری ادیان میں ایسا کوئی عقیدہ موجود نہیں اس لئے سری ادیان میں ماورائی کی نسبت زیادہ فکری مشقت اور بے راہ روی کا امکان ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ عقیدہ سے گلو خلاصی کے بعد عموماً بے راہ رو ہو جاتے ہیں۔

ماورائی ادیان میں جہاں ایک طرف عقیدہ ہے تو وہاں دوسری طرف سری ادیان میں خواہشِ نفس ہے چنانچہ عقیدہ کی بنیاد پر خواہشِ نفس کا مقابلہ کرنا قدرے آسان ہے اس کے برعکس بغیر عقیدہ کے خواہشِ نفس سے لڑنا اتنا آسان نہیں بلکہ بعض اوقات تو خواہشِ نفس ہی عقیدہ بن جاتی ہے اور تب انسان خواہشِ نفس کے ہاتھوں ایک معمولی سا کھلونا بن کے رہ جاتا ہے۔ عقیدہ سے گلو خلاصی کے بعد انسان علم نہیں حاصل کر لیتا جیسا کہ میں اپنے مقالہ (کیا علم ممکن ہے؟) میں عرض کر چکا بلکہ عموماً انسان خواہشِ نفس کو عقیدہ بنا لیتا ہے.. علاوہ ازیں کیا صورت ہے؟ کوئی صورت نہیں۔ ہر کوئی بدھ اور مہاویر تو نہیں بن سکتا اس لئے عموماً لوگ نفسانی خواہشات میں غرق ہو جاتے ہیں تاوقتیکہ موت سر پر آن پہنچے۔

سری ادیان فقر یا سنیاس کی بات تو کرتے ہیں لیکن فقر اور سنیاس قطعی آسان معاملہ نہیں.. نفسانی خواہش سے لڑنا اور اس پر فتح حاصل کرنا کسی مہاویر (فاتح اعظم) کا کام تو ہو سکتا ہے لیکن عام لوگ اتنا جوکھم نہیں اُٹھا سکتے کیونکہ خواہش تو جینے کی واحد اُمید ہے اِسی کو اُردو اور دیگر مقامی زبانوں میں "ارمان" کہا جاتا ہے۔ اُردو کے ایک نامور شاعر مرزا غالب کہتے ہیں کہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مِرے "ارمان" لیکن پھر بھی کم نکلے

انسان خدا کو مانتے ہوئے بھی جب خواہشات کا اس قدر پیچھا کرتا ہے تو پھر سوچئے خدا سے گلو خلاصی کے بعد وہ کس حد تک جا سکتا ہے.. پس اِس اعتماد کی کوئی وجہ نہیں کہ انسان عقیدہ سے فراغت کے بعد فقر یا سنیاس ہی کی راہ اختیار کرے گا۔ سری ادیان میں فقر یا سنیاس کے علاوہ ایک اور عقیدہ کا بھی بڑی شد و مد سے پرچار کیا جاتا ہے اور وہ ہے "عشق" جس کا سادہ مطلب ہے طلب یا خواہش کی انتہاء۔ پہنچ گئی نا بات وہیں پر ☺ ۔ یعنی اگر ہم ماورائی اور سری ادیان کو خدا اور خواہش کی باہمی کشمکش (Dilemma) سے تعبیر کریں تو قطعی غلط نہ ہو گا۔ سری دین صوفی مت سے متاثر بعض نامور مسلمان دانشور جیسا کہ جلال الدین رومی، شیخ فرید الدین عطار، حافظ شیرازی اور علامہ اقبال نے تو ماورائی دین کی بنیاد بھی سری دین کے عقیدہ "عشق" کو قرار دیا ہے

رومی کہتے ہیں۔

عقل آمد دین و دنیا شد خراب
عشق آمد در دو عالم کامیاب

اسی طرح برصغیر کے معروف دانشور اور شاعر علامہ اقبال عشق کے متعلق کچھ یوں گویا ہوئے۔

اگر ہے عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

خدا اور خواہش کی اس کشمکش میں یہ تو طے ہے کہ خواہش ہمیشہ ناکام ہی ہوتی ہے یہ کبھی پوری نہیں ہوتی بلکہ اپنی صورتیں بدلتی رہتی ہے اور اسی تگ وتاز میں انسان موت سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف عقیدہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں اور نہ ہی کوئی اثر جبکہ دوسری طرف خواہش ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں اور نہ ہی کوئی چارہ۔ عقیدہ اور خواہش سے ماوراء زندگی ایک لاعلم ولاشے، بے ہنگم وبے ترتیب، لایعنی ولاحاصل سانسوں کی مسلسل تکرار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پس زندگی کا اتنا جوکھم اٹھانا کسی بدھ اور مہاویر کیلئے تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن ایک عام آدمی میں اتنی سکت کہاں کہ وہ زندگی کا ایسا جاں گسل بوجھ اُٹھا سکے اس لئے عقیدہ یا خواہش میں سے عموماً لوگ کسی ایک طرف جھک جاتے ہیں اور اِسی جھکاؤ کو ہم دینداری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن کیا یہ واقعی دین ہے؟.. اسی نکتہ کو سمجھنے کیلئے ایک بار پھر آپ کو ابتداء سے یہ مقالہ پڑھنا پڑے گا۔ یہاں پر ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقیدہ تو دین ہے ہی کیا خواہش بھی دین ہے؟.. یقیناً ہے۔ عقیدہ سے گلوخلاصی کے بعد آپ کیا کریں گے؟.. کچھ بھی نہیں کر سکتے سوائے خواہش کی تابعداری کے۔

یہاں پر ایک نئے دینی رجحان کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے جیسا کہ انسانیت (Humanism)۔ کچھ لوگ جو عقیدہ سے فراغت حاصل کر لیتے ہیں سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اب دینِ انسانیت کے پیروکار بن گئے ہیں.. پس یہ بھی ایک توہّم ہے۔ عقیدہ سے فراغت کے بعد انسان پرستی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے بھلا؟.. خدا کو نہ ماننے سے انسان ایک دم بے راہ رو ہو جاتا ہے نہ صرف بے راہ رو ہو جاتا ہے بلکہ فوری طور پر نفسانی خواہشات کے دام میں آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عقائد سے تہی معاشروں میں عام جنسی عمل اور شراب پینے جیسی لت عام ہوتی ہے اور لوگ اپنے اِس رویہ پر نظرثانی تک کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

عقیدہِ تسلیم خدادر حقیقت انسان کیلیئے ایک ماورائی احتساب کا ادارہ قائم کرتا ہے جس کی بنیاد پر انسان کسی بھی دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے پر خود کو کسی قادر مطلق ہستی کے سامنے کبھی نہ کبھی جوابدہی کا خوف رکھتا ہے جب یہ خوف ناپید ہو جائے تو تب نہ صرف احتساب کا عمل ہی سرے سے ختم ہو جاتا ہے بلکہ نفسانی خواہش ہی انسان کیلیئے انفرادی و اجتماعی ضوابط کا سرچشمہ بن جاتی ہے پس یہی جدید سیاسی نظم جمہوریت کا ماحصل ہے۔اِسی نظم کے تحت کسی ریاست میں اکثریت کی خواہش قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مجھے کسی کے نقصان میں اپنا بے پناہ فائدہ نظر آرہا ہے تو میں کسی کا نقصان کیوں نہ کروں جبکہ یہ سہولت بھی موجود ہے کہ میں کبھی بھی احتساب کی زد میں نہیں آسکتا؟..پس ایسی صورت میں کسی کا نقصان نہ کرنا حتمی حماقت کے سوا کچھ نہیں.. لیکن یاد رہے کہ لوگ احمق نہیں۔

کسی کو نقصان نہ دینا تو احتساب کے خوف سے مشروط ہے اگر آپ خود ہی مدعی خود ہی وکیل اور خود ہی منصف ہوں تو فیصلہ تو صرف آپ کے حق میں ہی آنا ہے۔انسانی معاشروں میں انسانی احتساب کا عمل کبھی بھی مؤثر ثابت نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جدید سیاسی نظم نے صرف معزز چور اُچکّے تعلیم یافتہ نوسرباز اور سفید پوش مجرم ہی پیدا کیئے ہیں. انسان پرستی کا حتمی مطلب یہ ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کے فائدے کیلیئے اپنا نقصان کر لے۔ہم جانتے ہیں کہ ہم میں سے کتنے انسان پرست ایسا کرتے ہیں.. ایسا تو درکنار اب تو بھلائی کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ ہے پہلے بدلے میں یقینی بھلائی۔ اگر کہیں کوئی استثناء موجود بھی ہے تو وہ محلِ نظر ہے عموماً بڑے بڑے خیراتی ادارے منی لانڈرنگ اور دیگر کئی خفیہ ایجنڈوں کے تحت کام کر رہے ہوتے ہیں۔

عموماً انسان دوست غیر منافع بخش ادارے خفیہ مقاصد کے حصول کیلیئے وضع کئے جاتے ہیں تا کہ کسی ریاست کے قوانین سے متصادم ہوئے بغیر مطلوبہ مفادات کا حصول ممکن بنایا جاسکے۔ پس انسانیت کوئی دین نہیں اور نہ ہی یہ عقائد کا کوئی متبادل نظم ہے بلکہ عقیدہِ خدا سے فراغت کے بعد انفرادی اور اجتماعی سطح پر اعتماد کی فضاء کو بحال کرنے کا ایک دلکش حربہ ہے۔ میرا دین انسانیت ہے میرا دین محبت ہے میرا دین نیکی ہے یہ تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب آپ نفسانی خواہشات اور ہر قسم کی اُمید کو اپنے اندر سے اُکھاڑ کر باہر پھینک چکے ہوں.. علاوہ ازیں دجل و فریب، منافقت، خودغرضی اور پاکھنڈ کے علاوہ کچھ نہیں۔

پس ہر دو صورتوں میں دین قطعی اِمکان سے خارج ہے۔ عقیدہ چونکہ براہِ راست فہم کے اثر سے باہر ہے اِس لئے اس کی کوئی افادیت ہے نہ ہی اِس میں کوئی مستقل یا باقاعدہ دیانتداری یہی وجہ ہے کہ عموماً اصحابِ عقیدہ گوناگوں اخلاقی اعتراضات کی زد میں رہتے ہیں پس یہ بھی ایک مجبوری اور کام چلاؤ رویہ ہے جس کے اثر سے اب دنیا باہر نکل رہی ہے۔اس کے برعکس معاملہ مزید پیچیدہ اور افراتفری پر مبنی ہے جو عقیدہ سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جس کا تفصیلی تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔پس کسی ماوراء خدا کو ماننا یا پھر خود کو خدا مان لینا دونوں حقیقتاً ناممکن صورتیں ہیں جن کی افادیت غیر یقینی اور نقصانات، ذہنی اُلجھنیں اور تخمینے لاینحل ہیں۔ عقیدہ ممکن نہیں اور علم موجود نہیں.. کیا کریں..؟ کیا علاوہ ازیں کوئی صورت ممکن ہے کہ جس کے وسیلہ سے ہم دین تک رسائی حاصل کر سکیں...سچ تو یہ ہے کہ ایسی کوئی صورت ہے ہی نہیں۔ درد ہے بے یقینی ہے لایعنیت ہے پژمردگی ہے ٹھیس ہے متلی ہے۔ چاروں اُور گھپ اندھیرا اور سامنے زندگی کا لایعنی دیوہیکل پہاڑ ہے جس پر چڑھتے ہی واپس لڑھکتے ہوئے نیچے آتے رہنا ہے حتیٰ کہ جسم غیر متحرک ہو کر سُن ہو جائے اور پھر چند لوگ مُردہ جسم اُٹھا کر کسی غار میں دبا دیں یا پھر لکڑیوں کے ڈھیر میں لپیٹ کر آگ لگا دیں۔